اسلام

ایک دینِ دعوت

مولانا سید جلال الدین عمری

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

۱۳؍نومبر ۱۹۷۹ کو جماعتِ اسلامی ہند حلقہ اتر پردیش کے اجتماعِ کان پور میں راقم نے 'اسلام اور اس کی دعوت' کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا، جسے دعوتی نقطۂ نظر سے مفید سمجھا گیا۔ اسی افادیت کے پیشِ نظر یہ کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہوا۔ اب کی بار میں نے اس پر نظرِ ثانی کرکے اس میں کہیں کہیں لفظی ترمیم کے ساتھ دعوت سے متعلق اس کی بحث میں کافی اضافہ کردیا ہے۔ اس کی ترتیب کو بھی بہتر بنانے کی کوشش کی ہے اور نام بھی بدل دیا ہے۔ اب اس کا نام ہے: '**اسلام — ایک دینِ دعوت**'۔ اس میں پہلے اسلام کا مختصر تعارف ہے۔ اس کے بعد دعوت کے بعض پہلوؤں کی وضاحت ہے، آخر میں دعوت کے لیے جو صفات ضروری ہیں ان میں سے چند اہم صفات کا ذکر ہے۔ اس طرح اس چھوٹے سے کتابچہ میں دعوت کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹنے اور اسے جامع بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دعوتی مقاصد کے لیے بعض اوقات مختصر کتابچوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ امید ہے یہ کتابچہ اس ضرورت کو کسی حد تک پورا کرے گا۔ جو حضرات اس موضوع پر زیادہ تفصیل چاہتے ہوں وہ میری کتاب 'اسلام کی دعوت' کا مطالعہ فرماسکتے ہیں۔ یہ کتاب بہت پہلے شائع ہوچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور وہ مقصد اس سے بہتر طریقہ سے پورا ہو جس کے لیے یہ کوشش کی گئی ہے۔

جلال الدین عمری

۲۸؍اگست ۱۹۸۵ء

طبع جدید

اس کتابچہ کے اس سے قبل متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔اب کی بار میں نے اس پر ایک نظر ڈال کر اسے مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی ہے۔ لفظی اصلاح وترمیم کے علاوہ دعوت کی بحث میں کسی قدر اضافہ بھی کیا ہے۔ اس طرح اب یہ کتاب پہلے سے بہتر انداز میں پیش ہورہی ہے۔ دعا ہے، اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرمائے اوراس گناہ گار کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادے۔

جلال الدین عمری

۲۵/اکتوبر ۲۰۱۷ء

اسلام کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے اپنا دین نازل کرکے ہمیشہ کے لیے انسان کی قسمت کا فیصلہ کردیا ہے۔اس نے اس کے سامنے صرف دوراستے کھلے رکھے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس دین کو قبول کرکے دنیا اورآخرت کی کام یابی سے ہم کنار ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ اس دین کو رد کرکے اس ابدی ناکامی ونامرادی کا سامنا کرے جس کے بعد پھر کبھی کام یابی نصیب نہ ہوگی۔

انسان کی کام یابی اللہ کے دین سے وابستہ ہے

ماضی میں بھی انسان کی کام یابی اللہ تعالیٰ کے اسی دین سے وابستہ تھی، حال میں بھی اسی سے وابستہ ہے، مستقبل میں بھی اسی سے وابستہ رہے گی۔ انسان جب سے اس روئے زمین پر آباد ہے اس ضابطہ میں نہ کوئی تبدیلی آئی ہے اور نہ آئے گی۔ پہلے بھی جب اس نے اللہ تعالیٰ کے دین سے بغاوت کی ناکام ونامراد رہااور اب بھی اس کی ناکامی کی یہی وجہ ہے۔ وہ اپنی مادی ترقی اور اسباب ووسائل پرنازاں ہےاوراس امرکی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا کہ اس کا خدا اسے دین سکھائے اورراہ دکھائے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دنیا کی بہت سی قوموں کو اپنی ترقی اورخوش حالی پر گھمنڈ رہاہے۔لیکن یہ ان کی نادانی تھی اوراب یہ اس کی نادانی ہے۔جوشخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم ہے وہ گم کردہ راہ ہے۔ وہ ایک خطرناک انجام کی طرف بڑھ رہاہے۔ اپنے سارے سازوسامان کے باوجود کوئی طاقت اسے تباہی سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ انسان کی کشتی اللہ تعالیٰ کے دین کی راہ نمائی ہی میں ساحلِ مرادتک پہنچ سکتی ہے۔ جہاں یہ راہ نمائی نہ ہواس کشتی کا ڈوب جانا یقینی ہے۔

اللہ کا دین اسلام ہے

اللہ کا یہ دین ہمیشہ ایک رہا ہے۔ یہ اسلام ہے۔ یہ وہ دین ہے جو اس نے ہر زمانہ کے ان برگزیدہ لوگوں پر نازل کیا جنھیں اس کے رسول اور پیغمبر کہا جاتا ہے ۔ یہی دین آخری بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اسے جوں کا توں محفوظ کردیا گیا اور قیامت تک کے لیے رسالت اور پیغمبری کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔

اسلام کیا ہے؟

یہ دین کیا ہے؟ یہ فکر بھی ہے اور عمل بھی۔ عقیدہ بھی ہے، عبادت بھی۔ اخلاق بھی ہے اور قانون بھی۔ یہ اللہ تعالیٰ سے انسان کا تعلق بھی جوڑتا ہے اور انسانوں کے ایک دوسرے سے روابط بھی درست کرتا ہے۔ یہ فرد کی اصلاح بھی کرتا ہے اور سماج کی تعمیر بھی۔ یہ تزکیہ وطہارت بھی ہے اور جدوجہد اور جہاد بھی۔ اس میں روح کی تسکین بھی ہے اور مادی ضروریات کی تکمیل بھی۔ یہ انسان کے جذبات واحساسات اور خیالات کی بھی نگرانی کرتا ہے اور اس کے معاملات کو بھی دیکھتا ہے ۔ یہ اس کی روح کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکاتا اور اس کے جسم کو اس کے احکام کا پابند بناتا ہے ۔ یہ دین عورت کے لیے بھی ہے اور مرد کے لیے بھی ، جوان کے لیے بھی ہے اور بوڑھے کے لیے بھی، حاکم کے لیے بھی ہے اور محکوم کے لیے بھی، امیر کے لیے بھی ہے اور غریب کے لیے بھی، یہ ہر ایک کے حقوق بھی بتاتا ہے اور فرائض بھی۔ یہ فرد اور معاشرہ پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرتا ہے۔ اس کی حکومت ظاہر پر بھی ہوتی ہے اور باطن پر بھی۔ یہ فرد کو پاکیزہ زندگی اور قوموں کو عروج وترقی عطا کرتا ہے۔یہ خدائے قدوس کا دین ہے۔ اس میں دنیا کی کام یابی بھی ہے اور آخرت کی کام یابی بھی۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (البقرۃ:۲۰۱)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اسلام کے عقائد

ہر نظام کی کچھ فکری بنیادیں ہوتی ہیں ان ہی پر اس کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ان بنیادوں کو مسمار کردیا جائے تو یہ عمارت ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اسلام کی فکری بنیاد اس کے عقائد فراہم کرتے ہیں۔ ان ہی سے اس کی پوری تفصیلات نکلتی ہیں اور ایک وسیع نظامِ حیات وجود میں آتا ہے۔ ان عقائد کے بغیر یہ تفصیلات اپنی زبردست افادیت کھودیتی ہیں اور اس نظام کی حیثیت ایک بے جان ڈھانچہ کی ہوکر رہ جاتی ہے۔

اسلام کے عقائد ہماری اس مادی دنیا سے باہر کی بعض حقیقتوں کو ماننے کا نام ہے۔ لیکن ان کے اثرات ونتائج اسی مادی وروحانی اور طبعی ونفسیاتی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ عقائد انسان کی اس حیرانی وسرگشتگی کا صحیح ترین جواب دیتے ہیں کہ یہ کائنات کیا ہے؟ وہ خود کون ہے؟ اس کی حیثیت کیا ہے؟ وہ کہاں سے آیا ہے؟ اسے کہاں جانا ہے؟ اس کے لیے صحیح راستہ کیا ہے؟ اس کی منزل کیا ہے؟ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے؟ ان عقائد کو مان کر وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ دنیا صرف ایک خدا کی ہے۔ انسان اس کا بندہ ہے۔ اسی خدا نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اس کی ہدایت اورراہ نمائی کی ہے۔ اس ہدایت کے ذریعہ اسے دنیا میں حیات طیبہ اور آخرت میں فوز وفلاح اور ابدی کام یابی مل سکتی ہے۔ اس جواب سے اس کی حیرانی دور ہوجاتی اور اس کا کرب واضطراب ختم ہوجاتا ہے۔ اسے وہ چیز مل جاتی ہے جس کے بغیر دنیا سکون اور چین سے محروم اور اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔

یہ عقائد انسان کی پوری زندگی کو ایک خاص رخ عطا کرتے ہیں۔ وہ اسے اللہِ واحد کا بندہ اور دنیا کا ذمہ دار ترین انسان بناتے ہیں۔ وہ اسے کفر وشرک سے، الحاد ودہریت سے، بدعات وخرافات سے اور تمام باطل افکار ونظریات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اسلام شریعت کا ایک مکمل نظام رکھتا ہے۔ اس میں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ہدایت اور راہ نمائی ہے۔ ان عقائد کو ماننے کے بعد وہ خود بخود اس پورے نظام کو قبول کرلیتا اور اس کا پابند ہوجاتا ہے۔ ان کو مانے بغیر یہ نظام نہ تو اس کے لیے قابلِ قبول ہوسکتا ہے اور نہ اس پر وہ یک سوئی کے

ساتھ عمل کرسکتا ہے۔ جس شخص کو خدا پر کامل یقین ہے اسی کے لیے یہ ممکن ہے کہ دوسروں کی خدائی سے انکار کرے۔ جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہو وہی دل سے آپ کی اتباع بھی کرسکتا ہے اور اس پر ثابت قدم بھی رہ سکتا ہے۔ جسے آخرت کے اجروثواب کا یقین ہو اسی کے اندر یہ ہمت ہوگی کہ دین کی خاطر دنیا کے مفاد کو قربان کردے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان عقائد کو قبول کیے بغیر کسی نے اس کے نظام شریعت کو کبھی اختیار نہیں کیا۔

مسئلہ صرف اس دنیا کا نہیں، آخرت کا بھی ہے۔ آخرت کی نجات کا انحصار ان ہی عقائد پر ہے۔ جو شخص خدا، رسول اور آخرت کو تسلیم کرے وہی وہاں کام یاب ہوگا۔ جو ان حقیقتوں سے انکار کرے اسے خدا کے عذاب سے کوئی چیز بچا نہ سکے گی۔

اسلام کا نظامِ عبادات

عقائد کے بعد اسلام میں عبادات کا مقام ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، دعا و استغفار وغیرہ اسی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے انسان کا تعلق کسی ایک پہلو سے نہیں، بلکہ بہت سے پہلوؤں سے ہے۔ عبادات سے انہی سب پہلوؤں کا اظہار ہوتا ہے۔ نماز سراپا عجزونیاز ہے۔ اس کے ذریعہ انسان بندگی کی مکمل تصویر بن جاتا ہے اور اللہ کے سامنے اپنا سر جھکا کر اس کی خدائی کا اعتراف کرتا ہے۔ زکوٰۃ اس بات کی علامت ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنا مال صرف کرسکتا ہے۔ نماز میں جسم وجان خدا کے حوالے ہوتے ہیں اور زکوٰۃ میں وہ اپنا مال اس کی نذر کرتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ اس بات کا ثبوت ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے بھی محبت ہے اور اس کے بندوں سے بھی وہ ہم دردی رکھتا ہے۔ روزہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ پیدا کرتا ہے اور صبر وثبات کی تعلیم دیتا ہے۔ حج اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھربار چھوڑنے، جدوجہد کرنے اور اپنی محبوب چیزوں کو قربان کرنے کا نام ہے۔ اس طرح یہ عبادات مختلف پہلوؤں سے اس تعلق کو ظاہر کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے اور فی الواقع ہونا چاہیے۔

یہ عبادات ٹھیک طریقہ سے ادا کی جائیں تو ان سے تقویٰ ، انابت ، خشیت ، خشوع وخضوع اور اخلاص جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور انسان کا پورا وجود اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جاتا ہے ۔ اس کے سارے اعمال اسی کے ہوجاتے ہیں ۔ وہ سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اس سے محبت کرنے والا بن جاتا ہے ۔ وہ اس کی عبادت واطاعت میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کی معصیت ونافرمانی اس کے لیے تکلیف دہ ہوجاتی ہے۔ اس کے اندر جدو جہد اور جہاد کی روح پیدا ہوجاتی ہے، مکروہات میں ثابت قدم رہنے کا حوصلہ ابھر آتا ہے ۔ انسانوں کی خدمت اور مواسات وہم دردی کی اسپرٹ جاگ اٹھتی ہے اور اس کی پوری زندگی اللہ کے لیے ہوجاتی ہے ۔ اس طرح اس کا ہر عمل سراسر عبادت بن جاتا ہے اور وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام:۱۶۲)

بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

اسلام کا تصورِ اخلاق

عقائد وعبادات کے بعد اسلام نے سب سے زیادہ زور اخلاق پر دیا ہے ۔ اخلاق سے انسانی تعلقات میں حسن وخوبی اور کمال پیدا ہوتا ہے اور ایک انسان کا وجود دوسرے انسان کے لیے سودمند اور راحت بخش ثابت ہوتا ہے۔

اخلاق انسان کی سیرت کا بہترین پیمانہ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر معاملاتِ حیات میں کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اسے دوسروں سے کتنی محبت ہے؟ وہ ان کے لیے کیا قربانی دے سکتا ہے؟ ان کے دکھ درد کا اسے کس حد تک احساس ہے اور وہ ان کے کیا کام آسکتا ہے؟اخلاق کے بغیر انسان یا تو احساسات سے خالی ایک بے جان مشین بن کر رہ جاتا ہے یا ایک خطرناک درندہ۔

قرآن مجید نے جہاں کہیں اہلِ ایمان کے اوصاف بیان کیے ہیں وہاں ان کے اخلاقی اوصاف کو بہت نمایاں کیا ہے۔ وہ اعلیٰ اخلاق کے بغیر کسی مومن کا تصور نہیں کرتا۔

اس کے نزدیک ایمان والے وہ ہیں جو انسانوں کے بہی خواہ اور ہم درد ہوتے ہیں، وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، وہ صادق القول، راست باز، دیانت دار اور امانت دار ہوتے ہیں۔ وہ عہد و پیمان کے پابند ہوتے ہیں، وہ زنا اور بدکاری سے دور رہتے ہیں اور عصمت و عفت کی حفاظت کرتے ہیں، وہ عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں، ان میں تکبر اور پندار نہیں ہوتا، تواضع اور خاک ساری ان کا شیوہ ہے، وہ نرم اور منکسر المزاج ہوتے ہیں، جہالت اور بربریت کا مظاہرہ نہیں کرتے، وہ دولت کو امانت سمجھتے ہیں، نہ تو ان میں بخل اور کنجوسی ہوتی ہے اور نہ وہ غلط کاموں میں دولت صرف کرتے ہیں، وہ حق داروں کے حقوق پہچانتے ہیں، ظلم وزیادتی سے ان کا دامن پاک ہوتا ہے، وہ ناحق کسی کا خون نہیں بہاتے، کسی کا مال نہیں کھاتے اور کسی پر دستِ تعدی دراز نہیں کرتے، وہ اللہ کے بندے ہیں، اللہ کے کسی بندہ کو ان سے کبھی کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

اسلام کے نزدیک اخلاقی قدریں نہ تو بدلتی ہیں اور نہ وقتی قدرومنزلت رکھتی ہیں، بلکہ وہ ابدی اور مستقل قدروقیمت کی حامل ہیں۔ سچائی اور راست بازی کا معاملہ ہرایک کے ساتھ ہونا چاہیے اور ہمیشہ ہونا چاہیے۔ مکروفریب اور خیانت جس طرح اپنوں کے ساتھ ناروا ہے اسی طرح دوسروں کے ساتھ بھی اس کا جواز نہیں ہے۔ دیانت وامانت کی پابندی ہر حال میں کرنی ہوگی۔ عہدوپیمان جس سے بھی کیا جائے اسے پورا کرنا لازمی ہے۔ عفت وعصمت کی اہمیت وقتی اور زمانی نہیں، بلکہ ابدی اور مستقل ہے۔ زنا اور بدکاری کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

اس طرح اسلام نے اخلاق کا واضح تصور دیا۔ رذائل وفضائل دونوں کو تفصیل سے بیان کیا۔ رذائل سے ہمیشہ کے لیے منع کیا اور فضائل کا مستقل پابند بنایا۔

اس کے ساتھ اس کے نزدیک اہلِ ایمان حق کے علم بردار ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعہ یہاں عدل وانصاف قائم ہوتا ہے ۔ یہ کارِ عظیم جن بہترین اخلاقی صفات کا تقاضا کرتا ہے ان کی زندگیاں ان سے آراستہ ہوتی ہیں۔ وہ حق کے دوست اور باطل کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہ جلد باز اور متلوّن نہیں ہوتے۔ وہ مشکلات کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ ان میں یقین اور توکل پایا جاتا ہے، وہ استقامت کے پہاڑ ہوتے ہیں، ان کو توڑا تو جاسکتا ہے، لیکن

اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا، وہ جرأت وشہامت کے پیکر ہوتے ہیں، خدا کے خوف کے سوا کسی کا ڈران کے دلوں میں جگہ نہیں پاتا۔ وہ اپنے مقصد کے لیے جان کی بازی لگاسکتے ہیں، مال لٹاسکتے ہیں، خویش واقارب اور عزیزوں سے تعلقات کی قربانی دے سکتے ہیں۔لیکن اپنے مقصد سے انحراف نہیں کرسکتے۔انہیں کلمۂ حق سر دار کہنا آتا ہے، انھیں کسی قیمت پر خریدانہیں جاسکتا، وہ اللہ کے دین کے لیے جیتے اورمرتے ہیں، ان کی دوستی اوردشمنی سب کچھ اسی کے لیے ہوتی ہے۔

اسلام کے اصولِ معاملات

اسلام نے اخلاق کی تعلیم کے ساتھ انسانی معاملات کی بھی بہترین تنظیم کی ہے اوراس کے لیے جامع ہدایات اورقوانین دیے ہیں۔ اسلام کا تصور یہ ہے کہ عبادات ہی کو نہیں، زندگی کے تمام معاملات کو اللہ کے دین کے تابع ہونا چاہیے۔ انسان اللہ کا بندہ ہے۔ اسے یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بے نیاز ہوکر اپنے معاملات خود سے حل کرے اور ان کے لیے قانون بنائے۔جب وہ اس طرح کا اقدام کرتا ہے تو اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے اورایک بڑے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ آخرت میں بھی اس کا اسے جواب دینا ہوگا اور دنیا میں بھی اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ چنانچہ جب کبھی اس نے خود کو خدائی کے مقام پر فائز سمجھ کراپنے معاملات کوحل کرنا چاہا، افراط وتفریط میں مبتلا ہوگیا اورحق وانصاف کا دامن چھوڑ بیٹھا۔ کبھی کسی فرد پرظلم ہوا، کبھی کسی جماعت پر، کبھی ایک طبقہ نے استحصال کیا اورکبھی دوسرے طبقہ نے۔ اپنےمعاملات کو اللہ تعالیٰ کے دین سے الگ کرنے کے بعد اس انجامِ کا رونما ہونا ضروری ہے۔ اس سے اب تک وہ نہ تو بچ سکا ہے اورنہ آئندہ بچ سکتا ہے۔

اسلام ہماری معیشت، معاشرت اورسیاست کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع بناتا ہے اور خاندان سے لے کرحکومت وریاست تک ہرشعبہ کو عدل وانصاف کی بنیاد پر استوار کرتا ہے۔ وہ ایسا بے لاگ قانون دیتا ہے جو شاہ وگدا کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا۔ وہ مظلوم کو اس کا پوراپورا حق دلواتا ہے اورظالم کو اس کے ظلم کی بھرپور سزادیتا ہے ۔ وہ ایسے

ضابطے بناتا ہے کہ کم زور سے کم زور انسان بھی اپنے آپ کو محفوظ سمجھے اور طاقت ور کو دستِ درازی کرتے ہوئے ہزار بار سوچنا پڑے۔ اسلام نظامِ عدل کا علم بردار ہے اور اسی کو اس دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔

یہ اسلام کا ایک مختصر سا تعارف ہے۔ یہ ایک دعوتی دین ہے جو اپنے ماننے والوں سے دعوت وتبلیغ کا اور اسے دنیا کے ایک ایک انسان تک پہنچانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اسی کی کسی قدر تفصیل پیش کی جائے گی۔

اسلام کی دعوت

اسلام ایک دعوت ہے۔ ایک دائمی تحریک ہے۔ ایک صالح انقلاب ہے۔ دنیا میں مادی تحریکیں بھی اٹھتی ہیں اور اخلاقی تحریکیں بھی۔ مادی تحریکیں انسان کے مادی مسائل سے بحث کرتی ہیں اور روحانی تحریکیں روح کی اصلاح چاہتی ہیں۔ مادی تحریکوں میں کسی کے سامنے انسان کا معاشی مسئلہ ہوتا ہے، کوئی سیاست پر قبضہ کرنا چاہتی ہے، کوئی چھوت چھات کو اصل مسئلہ سمجھے ہوئے ہے، کوئی تعلیم میں ترقی اور صنعت وحرفت میں پیش قدمی کو اہمیت دیتی ہے اور اسی کو اپنا ہدف بنائے ہوئے ہے۔ اسی طرح کے ایک یا ایک سے زائد مسائل ان سب کے سامنے ہوتے ہیں۔ جو تحریکیں روح کی اصلاح کے لیے اٹھتی ہیں وہ اس مادی دنیا ہی سے صرفِ نظر کی تلقین کرتی ہیں، ریاضتوں کے ذریعہ نفس کشی کی مشق کراتی ہیں اور عزلت و گوشہ گیری کی راہ دکھاتی ہیں، لیکن اسلام انسان کے کسی ایک یا چند مسائل سے نہیں، بلکہ کل مسائل سے بحث کرتا ہے، اس کے ظاہر وباطن دونوں کو ایک خاص رخ دیتا ہے، وہ اس کے ہر پہلو سے اصلاح کا اور اس کی ہر ضرورت کی تکمیل کا طریقہ سکھاتا ہے۔ اسی مقصد کو لے کر اسلام کا داعی کھڑا ہوتا ہے۔ کتنا بڑا کام ہے جو اس کے پیش نظر ہے، کتنی بڑی مہم ہے جو اسے سر کرنی ہے۔

دعوت کے تصور کی بنیاد

دعوت کے تصور کی بنیاد یہ ہے کہ آدمی نے جس چیز کو حق سمجھ کر قبول کیا ہے اسے

دوسروں کے لیے بھی حق سمجھے، جس راستہ کو اس نے صحیح سمجھ کر اپنایا ہے اسی پر دوسروں کو چلانے کی کوشش کرے، وہ اپنے لیے جس عقیدہ وعمل، جس ادب واخلاق ،جس معاشرت وسیاست اور جس دستور اورقانون کو جائز اور درست باور کرتا ہے اسی کو دوسروں کے لیے بھی جائز اور درست باور کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت اگراس کے لیے صحیح نہیں ہے تو دوسروں کے لیے بھی صحیح نہیں ہے، بدی اور معصیت جس طرح اس کے لیے تباہ کن ہے اسی طرح دوسروں کے لیے بھی تباہ کن ہے۔ آخرت سے بے پرواہوکر زندگی گزارنا جس طرح اس کے لیے ناروا ہے اسی طرح دوسروں کے لیے بھی اس کا جواز نہیں ہے۔ وہ اس عزم کے ساتھ کھڑا ہوجائے کہ پوری دنیا اسی کی طرح ایک اللہ کے سامنے سر جھکادے اور کوئی جھوٹا خدا اس کا سر نہ جھکا سکے۔

یہ بالکل غیر فطری بات ہے کہ آدمی خودتو حق کو اپنائے اور دوسروں کی حق سے محرومی اسے بے چین نہ کرے،باطل کو باطل مانے اوردنیا کا اس سے چمٹا رہنا برداشت کرلے۔ اللہ کے دین پر اس کا ایمان ہو اوراسے غالب وسربلند کرنے کی تڑپ اس میں نہ پائی جائے۔ بلاشبہ ایسے انسان بھی دنیا میں ہوتے ہیں جو ایک بات کو غلط سمجھنے کے باوجود اسے برداشت کرتے رہتے ہیں اور کسی نصب العین کو صحیح قراردینے کے باوجود انھیں اس کی فکر نہیں ہوتی کہ ماحول بھی اس کی صحت کا قائل ہوجائے اوروہ لوگوں کی زندگیوں میں اترجائے۔ گندگی کا ڈھیران کے سامنے جمع ہوتا رہتا ہے، لیکن ان کا ذوقِ صفائی اسے چپ چاپ برداشت کرتا رہتا ہے۔انھیں اس کی فکر نہیں ہوتی کہ یہ ڈھیر ہٹ جائے اوراس کی جگہ گل ولالہ کی بہار آئے۔اس طرح کے یخ بستہ اورجموزدہ افراد کے لیے تحریکوں کے دروازے ہمیشہ بندرہتے ہیں۔ وہ کبھی ان میں آتے بھی ہیں تو دیرتک ساتھ نہیں دے پاتے اور بہت جلد ان کا راستہ الگ ہوجاتا ہے۔

کارِ رسالت

کارِ دعوت حقیقت میں کارِ رسالت ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں

ان نیک اور برگزیدہ انسانوں کا انتخاب فرمایا جنھیں ہم رسول اور پیغمبر کہتے ہیں۔ اللہ کے ان نیک بندوں نے، جن کا اس سے خاص تعلق تھا اور جو اس کے پیارے تھے، جن سے وہ محبت کرتے تھے اور جن سے وہ محبت کرتا تھا، دعوت کے اس کام میں اپنی جانیں کھپادیں، طعنے سہے، گالیاں سنیں، آسائش وراحت چھوڑی، سخت سے سخت مشکلات برداشت کیں، گھر سے بے گھر ہوئے اور کبھی دارورسن سے بھی گزر گئے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اس کام کو جاری رکھا۔ دنیا میں کون اپنے محبوب کی تکلیف گوارا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے ان محبوب بندوں کو دعوت ہی سے روک دیتا یا ان کو اس راہ کی تمام صعوبتوں اور تکلیفوں سے محفوظ رکھتا، لیکن اس نے یہی چاہا کہ اس کے یہ نیک اور مخلص بندے زندگی بھر کارِدعوت جاری رکھیں اور ہر طرح کی تکلیفوں اور آزمائشوں سے گزرتے ہوئے اسے جاری رکھیں۔ پیغمبروں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے مخلص ساتھیوں اور جانشینوں نے بھی دعوت کی یہی پرخطر راہ اختیار کی اور بے مثال قربانیاں دیتے ہوئے اس پر چلتے رہے۔ جب تک ان کے جسم میں جان باقی رہی نہ توان کا یہ سفر ختم ہوا اور نہ کبھی وہ اس سے منحرف ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں اوران کے جانشینوں کے بارے میں یہ فیصلہ بتاتا ہے کہ دعوت کے اس کام کے لیے نوعِ انسانی کے بہت ہی چیدہ اور برگزیدہ افراد بھی تکلیفیں اٹھاسکتے ہیں، دنیا کی قیمتی سے قیمتی جانیں اس پر نثار ہوسکتی ہیں، لیکن اسے کبھی ترک نہیں کیا جاسکتا۔ سوچیے، وہ کتنا اعلیٰ اورارفع مقصد تھا جس کے لیے یہ مقدّس اور پاکیزہ زندگیاں اس طرح وقف ہوگئیں جیسے ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

یہ ہے اس کام کی عظمت۔ اسی کارِعظیم کو آج آپ انجام دینا چاہتے ہیں۔ اس میں آپ کا وہ سب کچھ لٹ جائے جوآپ کے پاس ہے تو لٹ جانے دیجیے، آپ کی متاعِ حیات اسی میں لگ جائے تو لگ جانے دیجیے۔ یہ خسارے کا سودا نہیں ہے۔ یہ وہ تجارت ہے جس پر کل آپ فخر کریں گے اور آپ کی سرخروئی اور کام یابی پر بہت سے وہ لوگ بھی رشک کریں گے جو آج آپ کو نادان سمجھتے ہیں اور جن کے نزدیک موجودہ حالات میں دعوتِ دین کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

اتمامِ حجت

جس قوم میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی بعثت ہوتی ہے وہ اس کے سامنے اللہ کے دین کا حق ہونا دلائل سے اس طرح ثابت کردیتا ہے کہ اس کے انکار کے لیے کوئی معقول بنیاد باقی نہیں رہتی۔اس کے بعد اللہ کی طرف سے اس پر حجت تمام ہوجاتی ہے اوراس کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ اللہ کے دین کے ماننے والے اس کے انعام واکرام کے مستحق ٹھہرتے ہیں اوراس کے مخالفین پر اس کا عذاب ٹوٹ پڑتا ہے ۔ خدا کا یہ قانون قرآن میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ (الروم: ۴۷)

ہم نے تم سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے۔وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کرآئے (اس کے بعد) ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جنھوں نے جرم کیا (اور ایمان والوں کی مدد کی) ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے لیے ضروری تھا۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ذریعہ اپنی قوموں پرجس طرح اتمامِ حجت ہوتی ہے اس طرح اتمام حجت کسی داعی فرد یا گروہ کے ذریعہ ممکن نہیں ہے، اس لیے اس کی مخاطب قوم کے انکار پر اللہ تعالیٰ اس کا استیصال نہیں کردیتا،البتہ حق وصداقت کے انکار کے فطری اور لازمی نتائج ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔اس سے کوئی قوم محفوظ نہیں رہ سکتی۔

شہادت علی الناس

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد مواقع پر 'شاہد'، کہا گیا ہے[1] یہ آپ کے منصبِ رسالت کا بیان ہے ۔یعنی آپ اللہ کے دین کی دعوت دیں گے اوراس

(۱) ملاحظہ ہو۔الاحزاب ۴۵:۔الفتح:۸، المزمل:۸۔ اس سلسلے کے مزید حوالے آگے آرہے ہیں ، جن میں 'شاہد' ہی کے معنی میں آپ کے لیے 'شہید' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

کے حق ہونے کی شہادت دیں گے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ قیامت میں اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے اپنی قوم تک بے کم وکاست حق پہنچادیا تھا۔ مخالفت کرنے والوں نے بے دلیل اس کی مخالفت کی ۔ اسی طرح اللہ کے تمام رسول قیامت کے روز اس بات کی شہادت دیں گے کہ ان کی قوموں نے کس طرح اللہ کے دین کے خلاف محاذ آرائی کی اور اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس شہادت پر اللہ کی طرف سے مجرم قوموں کا فیصلہ ہوجائے گا۔ سورۂ نسآء میں ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ ط وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا ○

(النسآء: ۴۱، ۴۲)

اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔ اس دن، جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، آرزو کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور اس میں سما جائیں اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

ان آیات میں قیامت کا وہ منظر پیش کیا گیا ہے جب کہ اللہ کے رسولوں اور ان کی امتوں کو جمع کرکے سوال کیا جائے گا۔ رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ انھوں نے شہادت علی الناس کا فریضہ کس حد تک انجام دیا؟ وہ جواب دیں گے کہ انھوں نے اللہ کا دین اپنی قوموں تک بے کم وکاست پہنچادیا اور حق تبلیغ اور حق نصیحت ادا کردیا۔ یہی سوال اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کیا جائے گا۔ آپؐ کا جواب بھی یہی ہوگا کہ آپ نے اللہ کا دین اپنے مخاطبین تک پہنچادیا اور اس کے سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جو شخص اسے سمجھنا چاہتا اس کے دل کی ایک ایک خلش دور ہوسکتی تھی۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی وہی اپنی اس روش کے ذمہ دار ہیں۔ اس میں آپ کی کسی کوتاہی کا دخل نہیں ہے۔ اس وقت مخالفین کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔ ان کے سارے غلط اعمال اور بدکاریاں سامنے ہوں گی۔ اپنی کوئی حرکت وہ چھپا نہیں سکیں گے۔ اس وقت حسرت سے کہیں گے کہ کاش! ہم نے اللہ کے رسولوں کی بات سنی ہوتی۔ انھوں نے دنیا اور آخرت کی کامیابی کی راہ دکھائی تھی، لیکن ہم نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنی آنکھیں

مونڈلیں۔ کاش! زمین پھٹ جاتی ہم اس میں سما جاتے اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن سنانے کی فرمائش کی۔ انھوں نے سورۂ نساء کی تلاوت کی، جب ان آیات پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ (بخاری)

یہ آنسو ایک طرف اس احساس کی وجہ سے تھے کہ آپ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ دوسری طرف یہ تصور کرکے بھی آپ کا دل کانپ رہا تھا کہ آپ کی قوم اس دین کو رد کردے تو کل اس کا کیا حشر ہوگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شہادت علیٰ الناس کی یہ ذمہ داری آپ کی امت پر ڈالی گئی ہے۔ قرآن نے صاف الفاظ میں کہا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرۃ: ۱۴۳)

اس طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا ہے، تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

سورۂ حج کے آخر میں زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کا بیان ہے۔ ارشاد ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج: ۷۸)

اور اللہ کے راستہ میں (اس کے دین کو قائم کرنے کے لیے) جدوجہد کرو، جیسا جدوجہد کا حق ہے۔ اس نے تمھیں (اپنے دین کے لیے) منتخب کیا ہے۔ اس نے دین میں تمہارے لیے تنگی نہیں رکھی ہے (کہ اس پر عمل نہ کرسکو) اپنے باپ ابراہیم کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اللہ نے تمہارا نام پہلے بھی مسلم (فرماں بردار) رکھا اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے۔ تا کہ رسول تم پر اللہ کے دین کی شہادت دیں اور تم لوگوں پر اس کی شہادت دینے والے بنو۔ پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑو۔ وہی تمہارا مولیٰ اور آقا ہے۔ کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قوموں کی قسمت اب اسی امت سے وابستہ ہے۔ وہ شہادت علی الناس کا فرض ٹھیک ٹھیک انجام دے کر ان کی ہدایت کا سامان فراہم کرسکتی ہے۔ اس سے وہ اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوگی اور خدا کے یہاں بے پایاں اجروثواب کی مستحق ٹھہرے گی۔ لیکن اگروہ اس سے غفلت برتے تو دنیا کی گم راہی کے لیے اس سے بھی بازپرس ہوگی اورڈر ہے کہ بڑی سخت بازپرس ہوگی۔ لیکن افسوس کہ امت اپنی اس عظیم ذمہ داری کو بھول چکی ہے۔ شاید اسے اس کا احساس تک نہیں ہے۔ ورنہ دنیا کی حالت پراس کا دل شق ہوتا اور اس کی آنکھیں نم ناک ہوتیں۔

دعوت کا میدان

بعض لوگ حیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ دعوت کا میدان کیا ہےاور یہ کام کس طرح انجام دیا جائے؟ حالاں کہ جوشخص اللہ کے دین کو لے کر اٹھے اس کے لیے یہ سوال بالکل بے معنی ہے۔ اس کے لیے ہرطرف کام ہی کام ہے۔ اسے انسانوں کو جھوٹے خداؤں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی غلامی میں داخل کرنا ہے، اسے کفر وشرک سے لڑنا ہے، الحادودہریت کا مقابلہ کرنا ہے، بداخلاقی اوربے حیائی سے جنگ کرنی ہے، جھوٹ، مکروفریب، رشوت وخیانت اور تمام اخلاقی خرابیوں سے نبردآزما ہونا ہے، اسے صحیح عقائد واعمال کی، اعلیٰ اخلاق کی، تہذیب ومعاشرت اورتمدن وسیاست میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کی اتباع کی دعوت دینی ہے۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے کھڑا ہوا ہے۔ جب تک منکرات میں سے ایک بھی منکر باقی ہے اور معروفات میں سے ایک معروف بھی قائم ہونے سے رہ گیا ہے اس کا کام ختم نہیں ہوتا۔

دنیا میں جوتحریکیں اٹھتی ہیں اور ان کے جن کارکنوں کو آپ ہمہ دم مصروف دیکھتے ہیں وہ قوموں اورطبقوں کے لیے اورمحدودمقاصد کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ کوئی مزدوروں کے لیے کام کرتا ہے، کسی کوسرمایہ داروں کے مفاد کی فکرہوتی ہے، کسی کا کام اونچی ذات والوں میں ہوتا ہے اور کوئی نیچی ذات والوں کے لیے تگ ودوکرتا ہے۔ کسی کو اقلیت سے

دل چسپی ہوتی ہے اور کسی کو اکثریت سے، کسی کے پیش نظر ایک قوم ہوتی ہے اور کسی کے پیش نظر دوسری قوم ، کوئی سماجی اصلاح چاہتا ہے کوئی تعلیمی ترقی کا خواہش مند ہے، کوئی معاشی انقلاب کا نعرہ لگاتا ہے اور کوئی سیاسی انقلاب کا۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک چھوٹے سے دائرے میں بند ہے۔ اس دائرے سے باہر اس کے لیے کوئی کام نہیں ہے۔ وہ ایک محدود مقصد لیے بیٹھا ہے ۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد اس کے پیش نظر نہیں ہے۔ تعجب ہے اگر یہاں ان لوگوں کے لیے میدان نہ ہو جن کے پاس اسلام جیسی دولت ہے جو سارے انسانوں کے لیے ہے اور جس سے ہر فرد بشر کی دنیا کی کام یابی اور آخرت کی نجات وابستہ ہے۔

دعوت کا حق کس طرح ادا ہوتا ہے؟

اسلام کی دعوت، دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے مشکل کام ہے۔ اس کا حق اس سے نہیں ادا ہوتا کہ کسی وقت اسٹیج پر آکر خطاب کر دیا جائے، یا اسلام کے فضائل ومناقب پر کوئی کتاب لکھ دی جائے ، یا اسلام سے متعلق کسی موضوع پر بحث ومذاکرے میں شرکت کرلی جائے۔ یہ کام زندگی بھر کی جدوجہد چاہتا ہے ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ داعی کے دل ودماغ پر ہر وقت دعوت کا تصور چھایا رہے ، اس کی گفتگو کا محور دعوت ہو ، اس کی دل چسپیاں اسی کے گرد گھومتی ہوں، اس کے تعلقات کی بنیاد یہی ہو، وہ اپنی ملاقات میں، بات چیت میں ، تعلیم وتعلم میں، کاروبار میں، ہر وقت اور ہر حال میں اسی کو پیشِ نظر رکھے اور مخاطب تک بات پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔ وہ اسی کی وجہ سے پہچانا جائے۔ اس کی ہر سانس اسی میں ڈوبی ہوئی ہو، اس کے اعمال اسی کے تابع ہوں، اسے دیکھنے والے کو صاف محسوس ہو کہ وہ اسی دعوت کے لیے جی رہا ہے، اس کی تڑپ دوسروں کو تڑپا دے، اس کی فکر دوسروں کو سوچنے پر مجبور کر دے، اسی کی وجہ سے لوگ اس سے جڑیں اور کٹیں، اسی کی خاطر لوگ اس سے محبت کریں اور اسی کی وجہ سے اس سے دوری محسوس کریں۔

دعوت کا یہ نازک اور مشکل کام داعی کو اس طرح کرنا ہے کہ نہ عوام اس سے بے خبر رہیں اور نہ خواص، اس کا تذکرہ غریبوں کی جھونپڑیوں میں بھی ہو اور امیروں کے محلوں میں بھی، اس سے سوسائٹی کے اوپر کے لوگ بھی روشناس ہوجائیں اور نیچے کے لوگ بھی۔ ہر رنگ ، ہر نسل ،ہر زبان اور ہر پیشہ کے انسانوں تک اسلام اپنی صحیح شکل میں آجائے۔ بستی بستی، شہر شہر اور گلی گلی اس کا پیغام پہنچ جائے۔ اسکولوں، کالجوں، مدرسوں، خانقاہوں، بازاروں، تجارت کے مرکزوں اور چھوٹے بڑے اداروں میں اسلام زیر بحث آجائے اور پورا ملک اس کی آواز سے گونج اٹھے۔ یہاں تک کہ اس کے بارے میں افراد بھی اور جماعتیں بھی اپنا رویہ متعین کرنے پر مجبور ہوجائیں اور اس سے صرف نظر کرنا ان کے لیے ممکن نہ رہے۔

ضروری صفات

ہر کام کے لیے اس کے مناسب صفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ دعوتِ دین کا فرض بھی وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کے اندر اس کی مناسبت سے اعلیٰ اوصاف پائے جائیں۔ اس کے بغیر ایک تو وہ اس کا حق ادا نہیں کرسکتا، دوسرے یہ کہ جو شخص ان صفات سے خالی ہو وہ اپنے عمل سے دعوت کا غلط تعارف کرائے گا اور اس کی بدنامی کا باعث ہوگا۔ دعوت کے لیے جو صفات درکار ہیں یہاں ان میں سے بعض کا ذکر کیا جارہا ہے۔

۱۔ تعلق باللہ

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت صحیح معنی میں وہی شخص کرتا اور کرسکتا ہے جس کا اس سے گہرا تعلق ہو۔ جو اس کے لیے جینا اور مرنا، جڑنا اور کٹنا، دینا اور لینا جانتا ہو، جو اس سے شدید محبت کرے اور اس سے سب سے زیادہ خوف کھائے، جو اس کی راہ میں تکلیف اٹھا کر بھی لذت محسوس کرے اور جس کی زبان سخت سے سخت آزمائش میں بھی شکوہ وشکایت سے آلودہ نہ ہو، جس کے دل میں اس کی عظمت وہیبت اس قدر بیٹھی ہو کہ اس کے سوا کسی دوسرے کا خوف اس میں جگہ نہ پاسکے۔ جو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو، اپنی آسائش وراحت کو، اپنے مال ودولت کو، اپنے عیش وآرام کو، اپنے مفادات اور دل چسپیوں کو اس کے لیے قربان کرنے کے باوجود سمجھے کہ ابھی حق ادا نہیں ہوا ہے، جسے وہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد بھی جو اس کے بس میں ہے اپنی غفلت وکوتاہی کا احساس ستائے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز اور محبوب بن جائے۔ اور جس کی ہر محبت پر اس کی محبت غالب آجائے، جسے اللہ کے دین کا

نقصان اپنا شخصی نقصان معلوم ہواور جو دین کی ترقی پر اپنی ذاتی ترقی سے زیادہ مسرت محسوس کرے، جو دین پر ہونے والے حملہ کو اپنی ذات پر ہونے والے حملہ سے زیادہ سخت سمجھے اور دنیا کا ہر نقصان برداشت کر کے اس کے دفاع میں لگ جائے۔ جس شخص کا اللہ سے تعلق مضبوط نہ ہو اس کے بس میں نہیں ہے کہ وہ دین کا کام کرے۔ کسی وقتی جذبہ کے تحت وہ اسے شروع کر بھی دے تو اسے جاری رکھنا، اس راہ کی مشکلات کو برداشت کرنا اور اس کے لیے قربانیاں دینا اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔

۲–نماز کا اہتمام

اللہ تعالیٰ سے تعلق کو پیدا کرنے اور اسے مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا ذریعہ نماز ہے۔ دعوت کے ساتھ نماز کا اس قدر گہرا ربط ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دعوت کے شروع میں بھی نماز کا حکم ہے اور اس کے آخر میں بھی نماز اور تسبیح کی ہدایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کارِ دعوت پر مامور کیا گیا تو ساتھ ہی تہجد کا حکم دیا گیا۔ فرمایا گیا کہ دن میں تو تمہیں بے حد مصروفیت ہے، اس لیے رات میں اللہ کو یاد کرو۔ رات کے بیش تر اوقات میں، آدھی رات یا اس سے کسی قدر کم یا زیادہ حصہ میں نماز پڑھو۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

(المزمل: ۱–۹)

اے چادر اوڑھنے والے! کھڑے ہو رات کو مگر تھوڑا سا (آرام بھی کرلو) رات کا نصف یا اس سے تھوڑا سا کم کردو یا اس سے کچھ زیادہ کردو۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اور صاف پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو سخت روندتا ہے اور اس کی وجہ سے بات اچھی طرح نکلتی ہے۔ بے شک تمہارے لیے دن میں بڑی مصروفیت ہے۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے ہر وقت مصروف ہو اور جسے دن بھر کی دعوتی جدوجہد نے نڈھال کر دیا ہو اسے بظاہر شب میں آرام کا مشورہ دینا چاہیے، لیکن یہاں طویل نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دن میں جو زبردست دعوتی جدوجہد کرنی ہے اس کی طاقت رات کی نماز ہی سے حاصل ہوگی۔ پھر جب تیئیس (۲۳) برس کی کوشش کے بعد یہ دعوت کام یاب ہوئی، قریش کی طاقت ٹوٹ گئی، مکہ فتح ہوا اور خدا کا گھر — کعبۃ اللہ — خدا کے بندوں کی تولیت میں آ گیا تو اس وقت بھی خدا کے سامنے سر جھکانے اور اس کی تسبیح و تحمید کا حکم ہوا۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ○ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ○ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○ (سورہ النصر)

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور تم دیکھ لو کہ لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔ بے شک وہ دعا قبول کرنے والا ہے۔

نماز ازاول تا آخر دعوت کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس کے بغیر اس کا حق نہ تو کبھی ادا ہوا ہے اور نہ قیامت تک ادا ہوسکتا ہے۔ جس طرح ہوا اور پانی کے بغیر کوئی متنفس زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح نماز کے بغیر یہ دعوت نہ زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کام یابی کا منہ دیکھ سکتی ہے۔

نماز سے صبر پیدا ہوتا ہے

دعوت کے لیے دو صفات کی بڑی اہمیت ہے: ایک مشکلات و مصائب میں صبر، دوسرے باطل کے مقابلے میں استقامت ۔ یہ دونوں صفات نماز ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ دعوتِ اسلامی کا مکی دور صبر و ثبات کا دور تھا۔ اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بے نفس، بااخلاق، شریف اور معصوم ہستی کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے، پتھر برسائے گئے، نعوذ باللہ مجنوں کہا گیا، بے دین کہا گیا، قصہ گو کہا گیا، دوسروں کا پڑھایا گیا سبق دہرانے والا کہا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ ان بے بنیاد الزامات اور اتہامات پر کبھی مشتعل نہیں ہوئے، بلکہ صبر و سکون کے ساتھ اپنی دعوت پیش فرماتے رہے۔ مخالفت کرنے والوں

کے ضمیر کو جھنجھوڑا، ان کی عقل سے اپیل کی، انھیں غور و فکر پر ابھارا اور اندھی بہری مخالفت کے نتائجِ بد سے آگاہ کیا۔ اس طرح عداوت اور دشمنی کے اس ماحول میں حجت تمام کر دی۔

اسی پاکیزہ اسوہ کو صحابۂ کرام نے اپنایا اور مخالفتوں کی آندھی میں صبر کے پہاڑ بنے رہے۔ ان کا جہاد بے مثال تھا تو صبر بھی بے مثال تھا۔ پھر یہ کہ یہ بزدلوں اور نامردوں کا صبر نہیں تھا، بلکہ جواں مردوں اور موت سے کھیل جانے والوں کا صبر تھا۔ یہ اس قوم کے سپوتوں کا صبر تھا جن کے ہاں بات بات پر تلواریں کھنچ جاتی تھیں، جس کے غیظ و غضب کی آگ مخالف سے انتقام لیے بغیر بجھتی نہ تھی، جو اپنے حلیفوں اور حامیوں پر کسی کو دست درازی کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ جس کا ہر فرد چوٹ کھانے کے بعد شیروں کی طرح بپھر جاتا تھا، جس کے نزدیک ظلم کو برداشت کرنا بزدلی کے ہم معنیٰ تھا، جو جہالت اور بربریت کا جواب سخت تر جہالت اور بربریت سے دینا ضروری سمجھتی تھی۔ حیرت ہے اس قوم کے افراد کو، جن میں سے بیش تر نوجوان تھے، اسلام نے صبر و ضبط کا اس طرح پابند بنایا کہ مکہ کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی افتراء پردازی یا غلط بیانی پر وہ بے قابو ہو گئے ہوں، ظلم و زیادتی کے مقابلہ میں جوشِ انتقام ابھر آیا ہو، بدزبانی کے جواب میں بدزبانی اور بدسلوکی کی ہو، خنجر کے مقابلہ میں خنجر اٹھایا ہو، تلوار کے مقابلہ میں تلوار نکل آئی ہو۔ صبر کی یہ غیر معمولی طاقت نماز سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے جہاں کہیں صبر کا حکم دیا ہے بالعموم نماز کی تلقین کی ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ○ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ○ (قٓ: ۳۹، ۴۰)

جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، طلوعِ آفتاب سے پہلے بھی اور غروب آفتاب سے پہلے بھی اور رات میں بھی اس کی تسبیح کرو اور سجدہ ریزیوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی۔

صبر کی اہمیت

جو لوگ دعوتِ دین کا کام کرنے کھڑے ہوں ان کے لیے صبر کی آج بھی اسی

طرح ضرورت ہے جس طرح کل تھی۔اس وقت ایک طرف مذہب دشمن اور بے دین لوگ ان کے خلاف محاذ آرا ہیں اور دوسری طرف خدا اور رسول کا نام لینے والے ان سے برسرِ پیکار ہیں۔ مذہب بے زار طبقہ انھیں قدامت پرست، دقیانوسی، زمانہ سے بے خبر، ملک دشمن، قوم دشمن اور فرقہ پرست ثابت کرنے کی پوری کوشش کررہا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انھوں نے دین کے خادموں کو اسی طرح دیکھا ہے اور ان کی جدوجہد کو ایسی ہی پایا ہے، بلکہ اس کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کو اپنی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے اور ان کی آڑ میں خدا کے دین، اس کے عقائد اور اس کے فلسفۂ حیات کو نشانہ بنارہا ہے۔ جو لوگ دین دار سمجھے جاتے ہیں ان کی طرف سے بھی ان پر جھوٹے الزامات کی بارش ہورہی ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ خراب ہے۔ یہ خدا کو مانتے ہیں اس کے رسول پر ان کا ایمان نہیں ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ خدا اور رسول کو تو مانتے ہیں لیکن اس طرح نہیں مانتے جس طرح ہم مانتے ہیں، کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا مذہب سیاسی مذہب ہے، یہ اقتدار چاہتے ہیں، تقویٰ اور خداترسی ان کا مطلوب و مقصود نہیں ہے۔ کہیں سے آواز آتی ہے کہ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کی توہین کرتے ہیں۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اپنے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ کبھی بتایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک سوائے ان کے کسی نے آج تک دین ہی کو نہیں سمجھا ہے۔ آپ جانتے ہیں یہ سب کچھ سراسر جھوٹ ہے، تہمت اور غلط بیانی ہے۔ کذب وافترا کے اس طوفان میں صبر و ثبات کی دولت آپ کو نماز ہی سے مل سکتی ہے۔

نماز سے استقامت ملتی ہے

کسی غیر اسلامی ماحول میں صحیح اسلامی دعوت کا اٹھنا اور اس پر اس کے کارکنوں کا ثابت قدم رہنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ جہاں اسلامی فکر پر غیر اسلامی افکار ہر طرف سے حملہ آور ہوں، جہاں مخالف ماحول اپنا شدید دباؤ ڈال رہا ہو، جہاں حوصلہ شکن حالات میں کارِ دعوت انجام دینا پڑے، جہاں کسی کارکن کی سعی وجہد کا اعتراف نہ ہو، البتہ کارِ دعوت

میں اس کی کوتاہی کی تحسین اور تعریف ہو، جہاں کم زوری کو حکمت و مصلحت کہا جائے، جہاں پیش قدمی کی مذمت کی جائے اور پیچھے ہٹنے پر داد ملے، وہاں استقامت کو کارنامہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ جب کبھی اسلام کو مخالف طاقتیں ابھرتا ہوا دیکھتی ہیں تو وہ بزور اسے کچل دینا چاہتی ہیں ،لیکن یہ ان کے لیے آسان نہیں ہوتا، کیونکہ تحریکیں زوراور قوت سے دبائی نہیں جاتیں ۔ اس لیے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے علم بردار خود اسے ختم کردیں۔ اس کی کبھی وہ کھلی ہوئی درخواست نہیں کرتیں۔ ان کا مطالبہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ اسلام کے ماننے والے اپنے سخت موقف سے ذرا پیچھے ہٹیں۔ وہ دوسروں کے افکارو خیالات کی صحت وصداقت کوتسلیم کریں اور دوسرے ان کے نظریات کی خوبی کا اعتراف کریں۔ کچھ باتوں کو وہ برداشت کریں اور کچھ کو ان کے مخالفین انگیز کریں، تاکہ بقائے باہم کی کوئی صورت نکل آئے۔ یہ بڑا نازک مرحلہ ہوتا ہے ۔ یہی موقع ہوتا ہے جب کہ اسلام کے لیے کام کرنے والوں کے اندر بھی لچک یا مداہنت آسکتی ہے اور وہ اپنے خیالات پرنظر ثانی کے لیے تیار ہوسکتے ہیں۔ اس طرح کا ہر اقدام تحریک کی بھی موت ہے اور اس کے کارکنوں کی بھی ۔اس لیے کہ بلندی سے جب انسان لڑھکنے لگتا ہےتو درمیان میں رکتا نہیں ہے، بلکہ نیچے پہنچ کر ہی دم لیتا ہے۔ جہاں حالات کے سامنے اس کا سر ذرا سا خم ہوتا ہے تو حالات اس سے سجدہ کرا کے چھوڑتے ہیں، جب وہ اپنی ایک چیز دشمن کے حوالہ کرتا ہے تو دشمن اسے ہر چیز سے محروم کر کے رکھ دیتا ہے۔

باطل طاقتوں کے مقابلہ میں استقامت ، اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے ملتی ہے۔ دیکھیے قرآن کتنی صراحت کے ساتھ کہتا ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

پس اے نبی! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو تمہارے ساتھ اللہ کی طرف پلٹ آئے ہیں راہِ راست پر اس طرح قائم رہو جیسا کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک تم جو کچھ کر رہے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرف ذرا نہ جھکو جنھوں نے ظلم کی روش

اللّٰهِ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ○ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَىِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ○ وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ○ (ھود: ۱۱۲—۱۱۵)

اختیار کی ہے، ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے۔ تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا اور کہیں سے تمہاری مدد نہ ہوگی۔ اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ ٹکڑوں میں۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ یہ یاد دہانی ہے ان کے لیے جو خدا کو یاد رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

استقامت کے حکم کے ساتھ ظالموں اور خدا کے باغیوں کی طرف ذرا برابر جھکنے سے منع کیا گیا۔ اس کے بعد رات اور دن کے مختلف حصوں میں نماز قائم کرنے کی تاکید کی گئی۔ اس طرح یہ بتایا گیا کہ نماز ہی کے سہارے آدمی استقامت دکھا سکتا ہے۔ نماز نہ ہو تو اس کے قدم اکھڑ جائیں گے، وہ کم زور پڑ جائے گا اور ظالم اسے اپنی طرف کھینچ لے جائیں گے۔

۳— کردار کی بلندی

داعی کے لیے سیرت و کردار کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلام انسان کی سیرت و کردار کو رفعت اور پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ وہ اگر صحیح معنیٰ میں دل و دماغ میں اتر جائے تو انسان کردار کی پستی میں مبتلا نہیں ہوسکتا۔ اسلام نے اللہ کی طرف دعوت دینے کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ اس کے ماننے والے بہترین اوصاف سے متصف ہوتے ہیں۔ اس دعویٰ کا ثبوت ان لوگوں کی زندگیاں تھیں جو اللہ پر ایمان رکھتی تھیں۔ ایک گندے اور جاہلانہ معاشرہ میں وہ بالکل ممتاز تھے۔ ہر وہ شخص جس کے سر میں دو آنکھیں تھیں ان کی اخلاقی برتری کو دیکھ سکتا تھا۔ کسی کو یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی زندگیاں فلاں اخلاقی خوبی سے خالی ہیں۔ کبھی کسی طرف سے ان پر بداخلاقی اور بے حیائی کا الزام نہ لگایا جاسکا۔ قرآن ان کی سیرت کا بہترین ترجمان تھا اور وہ قرآن کے بیان کی مکمل تصدیق تھے۔

دعوت کا حق اسی وقت ادا ہوسکتا ہے جب کہ داعی کا کردار اس سے پوری

طرح ہم آہنگ ہوجائے ۔کردار میں غیر معمولی طاقت ہوتی ہے۔ انسان بالعموم کسی بھی شخص کے نظریات سے اتنا متاثر نہیں ہوتا جتنا اس کے کردار سے متاثر ہوتا ہے۔ صاحبِ کردار میں بڑی جاذبیت ہوتی ہے ۔ اگر وہ کسی فکر کا حامل ہو تو اس کے فکر میں بھی کشش پیدا ہوجاتی ہے۔ بے کردار انسان کے افکاروخیالات سے دنیا بہت کم دل چسپی لیتی ہے۔ باکردار شخص اپنی دعوت کا زندہ ثبوت ہوتا ہے۔ جس شخص کی زندگی کردار سے خالی ہے وہ اپنی دعوت کی خود تردید کرتا پھرتا ہے۔ اس کی تردید کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

جو شخص دعوت کے میدان میں قدم رکھے اسے سیرت وکردار کی بلندترین چوٹی پر کھڑا ہونا چاہیے۔اس کے لیے لازم ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں عظمتِ کردار کا ثبوت فراہم کرے۔ تاجر ہو تو تجارت میں، کارخانہ دار ہو تو صنعت میں ، مزدور ہو تو اپنے پیشہ میں، مدرس ہو تو تعلیم و تدریس میں، ہر قدم پر اور ہر گوشہ میں اسے کردار کی برتری کے نقوش قائم کرنے ہوں گے ۔ اس کے تعلقات میں جو بھی شخص آئے اس کی حسنِ سیرت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائے۔اس کے بیوی بچے، خویش واقارب ، اس کے پڑوسی ، اس کے دوست، رفیق اور ہم پیشہ ساتھی اس کے کردار کی عظمت سے متاثر ہوں۔ جب لوگ اس کے حسنِ کردار سے متاثر ہوں گے تو اس کی دعوت کے لیے بھی ان کے دل کھلیں گے۔

آج دنیا کردار کی محتاج ہے

موجودہ دور کا ایک بڑا اہم اور سنگین مسئلہ اخلاق اور کردار کا زوال ہے۔ بہت سی اخلاقی قدریں اپنی قدروقیمت کھو چکی ہیں۔ انسان کی خودغرضی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ہم دردی وغم خواری کا تصور ہی کم زور پڑ گیا ہے۔ اولاد کو ماں باپ کی محبت نہیں مل رہی ہے ، بوڑھے ماں باپ اولاد کے حسنِ سلوک سے محروم ہیں، پڑوسی، پڑوسی کے دکھ درد سے بے خبر ہے۔ انسان کو اپنے قریب ترین دوستوں اور عزیزوں کے کردار پر بھی بھروسہ نہیں ہے۔عفت وعصمت ، سچائی ،راست بازی ، دیانت وامانت،

عفوودرگزراور صبر وتحمل جیسی صفات مٹتی چلی جارہی ہیں۔ نسل انسانی کو گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ ایک قوم اور دوسری قوم کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ اپنی قوم کے ساتھ جو اخلاقی رویہ اختیار کیاجاتا ہے دوسری قوم کو اس کا مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ان حالات میں اگرکہیں اسلامی کردار پوری طرح ظہورمیں آجائے تو بے شک وشبہ دنیا کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ دنیا اگر یہ دیکھے گی کہ اسلام کے داعی اپنے سیرت وکردار میں بالکل ممتاز ہیں، ان کے عادات واطوار دوسروں سے مختلف ہیں، وہ معاملات کے کھرے اور سچے ہیں، متقی اورخدا ترس ہیں، جب لوگ خود غرضی اورمفاد پرستی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تو یہ بے لوث اورایثاروقربانی کے پیکر ہیں، جب عصمتیں ہرطرف لٹ رہی ہیں تو یہ عفت وعصمت کے محافظ اورنگہبان ہیں، جب امانت و دیانت مفقود ہے تو ان کی دیانت وامانت ہرشبہ سے بالاتر ہے، جب رشوت کے بغیر کسی کی حاجت براری نہیں ہوتی تو یہ بغیر کسی اجر کی توقع کے دوسروں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں، جب بھائی بھائی کا دشمن ہے تو یہ غیروں اوراجنبیوں کو گلے سے لگاتے ہیں، جب دنیا میں کسی کا حق محفوظ نہیں ہے اور چاروں طرف حقوق کی جنگ جاری ہے تو یہ ہر حق دار کا حق پہچانتے اور اسے ازخود ادا کرتے ہیں، تو ضرور سوال پیدا ہوگا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اوران کے اخلاق وکردار کا سرچشمہ کیاہے؟ پھر اس سوال کونظر انداز کرنا اس سے زیادہ مشکل ہوگا جتنا کہ طلوع آفتاب کے بعد روشنی کاانکار کرنا دشوارہوتا ہے۔ لیکن اتنا بڑا سوال اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب کہ دوچار یا دس بیس افراد میں نہیں، بلکہ ایک پوری جماعت میں یہ کردار پیدا ہوجائےاورہر گوشہ میں اس کے اثرات محسوس کیے جائیں۔ خدا وہ دن جلد لائے جب کہ ہماری زندگیاں اسی کردار کو پیش کرسکیں۔